دارالکفر کے مُسلمان اور دارالاسلام

[یاد ہوگا کہ ماہ شعبان کے پرچے میں ایک صاحب کے سوال پر یہ مختصر جواب دیا گیا تھا کہ دارالاسلام اور دارالکفر کے مسلمانوں میں باہم شادی بیاہ اور توارث کے تعلقات نہ ہونے چاہئیں، کیونکہ قرآن کا منشا اس قسم کے تعلقات کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس پر جو اعتراضات ہندوستان و پاکستان کے بعض ایسے حلقوں کی طرف سے ہوئے ہیں جنہیں اس مسئلے کی الف بے تک کا علم نہیں ہے وہ تو چنداں قابل توجہ نہیں ہیں۔ البتہ اس باب میں جناب مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب سے ہماری جو مراسلت ہوئی ہے وہ علمی حیثیت سے اس لائق ہے کہ اسے فائدۂ عام کے لیے شائع کیا جائے۔]

مولانا ظفر احمد صاحب کا مکتوب

مکرمی مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب! زادت محاسنکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مجھے آپ سے غائبانہ محبت ہے جس کی شہادت خود آپ کا ضمیر دے گا اور میرا یہ طرزِ عمل بھی کر میں گا ہے گاہے تھانہ بھون اور ڈھاکہ سے آپ کو از خود لکھتا رہا ہوں۔ یہ خط بھی اسی غائبانہ محبت کی بنا پر از خود لکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ آج کل بعض علماء نے آپ کی تکفیر و تفسیق کے لیے فتویٰ نویسی شروع کر دی ہے، اور آپ کو جماعتِ اہلِ حق سے جدا سمجھ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اہلِ حق سے الگ نہ کرے۔ پھر کسی کے الگ کرنے کی پروا نہیں ؎

لکل شیئ اذا فارقتہ عوض
ولیس للہ ان فارقت من عوض

میں نے ترجمان القرآن میں ایک مخدوم زادہ بزرگ کا مضمون پڑھا۔ افسوس ہے کہ انہوں نے تصورِ شیخ کی وہی تصویر پیش کی ہے جس کی بنا پر محققین نے اس کی تعلیم موقوف کی تھی۔ تصورِ شیخ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وصول الی اللہ کے لیے قلب کو حبِّ دنیا اور علائق ماسویٰ اللہ سے پاک وصاف کرنا ضروری ہے۔ اس کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ہر چیز کی محبت کو ایک ایک کرکے الگ الگ نکالا جائے۔ یہ راستہ طویل بھی ہے اور بعض کے لیے دشوار بھی۔ اس لیے بعض محققین نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان سب پر کسی ایک کی محبت کو غالب کر دیا جائے۔ اس کے غلبہ سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب و مضمحل ہو کر معدوم یا کالعدم ہو جائے گی۔ پھر اس ایک کی محبت کا مغلوب کرنا یا نکالنا زیادہ دشوار نہ ہوگا۔ اس کے لیے محبتِ شیخ کو تجویز کیا گیا کہ اس سے طالب کو فی الجملہ محبت ہوتی ہی ہے اور چونکہ یہ محبت بوجہ اللہ ہے اس لیے اس کا غلبہ محبتِ حق میں معین ہوگا، اس سے مانع نہ ہوگا۔ جب غلبۂ حبِ شیخ سے دوسری اشیاء کی محبت مغلوب ہو جائے تو حبِّ شیخ کو مغلوب کرنے کے لیے تصورِ رسول کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے بعد فنا فی اللہ کا راستہ شروع کر دیا جاتا ہے۔ مگر جب کم فہموں نے تصورِ شیخ کا مطلب وہ سمجھ لیا جو ہمارے مخدوم زادہ بزرگ نے بیان فرمایا ہے تو محققین نے اس کی تعلیم موقوف کر دی اور اس کو ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون کا مصداق تبلایا۔ اس مسئلہ میں آپ کے رسالہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی میں دوسرے مسئلہ میں اپنے مخدوم زادہ کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کی جماعت کے بعض افراد قرآن و حدیث سے براہِ راست استنباط کرنا چاہتے ہیں، اور اس کی پروا نہیں کرتے کہ وہ استنباط فقہاء و امت کے موافق ہے یا خلاف،

اس کی تازہ مثال ترجمان القرآن جلد ۳۶ عدد ۲ بابت شعبان ۱۳۷۰ھ مطابق جون ۱۹۵۱ء میں ابھی ابھی میری نظر سے گذری - آپ نے دار الاسلام اور دار الکفر کے مسلمانوں کے تعلقات کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "جہاں تک مجھے علم ہے قرآن کا منشا یہی ہے کہ دار الاسلام اور دار الکفر کے مسلمانوں میں وراثت اور شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہوں" پھر ان مہاجرین کے متعلق جن کے ایسے رشتہ دار دار الکفر میں رہ گئے ہوں جن کے وہ وارث ہو سکتے ہیں فرمایا ہے کہ "ان کے بارے میں بھی میرا خیال یہی ہے کہ نہ وہ ہندوستان میں میراث پا سکتے ہیں اور نہ ان کے ہندوستانی رشتہ دار پاکستان میں ان سے میراث پانے کا حق رکھتے ہیں" الخ ص ۱۲۵/۶۱

آپ کا یہ فتویٰ مذہب حنفی اور جملہ مذاہب اربعہ کے خلاف ہے اور جس آیت سے آپنے یہ استنباط کیا ہے (والذین آمنوا ولم یہاجروا مالکم من ولایتہم من شیئٍ حتی یہاجروا) اس میں اگر ولایت کو بمعنی وراثت تسلیم کر لیا جائے، موالات کے معنی میں نہ لیا جائے، تو یہ حکم اس وقت کا ہے جبکہ ابتداء قدوم مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کر دی تھی، جس کی بنا پر مہاجرین انصار کے اور انصار مہاجرین کے وارث ہوتے تھے۔ جس کی دلیل اسی آیت کا یہ ٹکڑا ہے ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ والذین آووا ونصروا اولئک بعضھم اولیاء بعض ط۔

پھر جب مہاجرین و انصار کا باہم توارث سورہ الاحزاب کی آیت النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیاءکم معروفا کان ذالک فی الکتاب مسطورا۔ سے منسوخ ہو گیا تو اب یہ حکم باقی نہ رہا کہ مسلم مہاجر مسلم غیر مہاجر کا وارث نہ ہو، یا برعکس بلکہ آیت المواریث کے موافق توارث

ہونے لگا۔

پھر آپ نے اس پر بھی غور نہ کیا کہ سورۂ الممتحنہ کی آیت ولا تمسکوا بعصم الکوافر واسئلوا ما انفقتم ولیسئلوا ما انفقوا کے نزول سے پہلے تک غیر مسلم عورتیں صحابہ مہاجرین کے نکاح میں بدستور مکہ ہی میں تھیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمرؓ وغیرہ نے اپنی کافر عورتوں کو طلاق دے دی تو اُن کا نکاح مکہ کے کافروں سے ہوا۔ حالانکہ مکہ اس وقت صرف دارالکفر ہی نہ تھا بلکہ وہاں کے باشندے محارب بھی تھے جن سے غزوۂ حدیبیہ ۶ھ میں چند سال کے لیے صلح کی گئی تھی۔ تو جس دارالکفر کے باشندے برسرِ جنگ نہ ہوں وہاں کی مسلمان عورتوں سے شادی بیاہ کو اور وہاں کے مسلمانوں کے ساتھ توارث کو آپ کس دلیل سے منع کر سکتے ہیں؟

آج ہندوستان جیسا دارالکفر ہے ویسا ہی برطانیہ کی حکومت میں تھا اور آج جیسا پاکستان دارالاسلام ہے ویسا ہی کسی وقت حیدرآباد بھی دارالاسلام تھا بلکہ کچھ زیادہ کہ وہاں محکمۂ امورِ مذہبی قائم تھا جو اب تک پاکستان میں قائم نہیں ہوا۔ تو کیا آپ اس وقت ہندوستان اور حیدرآباد کے مسلمانوں میں باہم شادی بیاہ اور توارث کو ممنوع سمجھتے تھے؟ یا اس وقت اگر کوئی حاجی مہاجر ہو کر مکہ مدینہ میں رہ جاتا اور اس کی موت کے وقت مکہ مدینہ میں اُس کا کوئی وارث نہ ہوتا تو آپ یہ فتویٰ دے سکتے تھے؟ کہ اُس کے ہندوستانی رشتہ داروں کو اس کا ترکہ نہ دیا جائے؟

اگر آپ یہ فتویٰ دیتے ساری دنیا آپ کی مخالفت کرتی۔ حکومت حجاز کا تعامل ٹرکی کے زمانہ میں بھی اور آج بھی یہی رہا ہے اور ہے کہ ایسے لوگوں کا ترکہ ہندوستان کی حکومت کے ذریعہ سے اُن کے ہندوستانی ورثہ کو دے دیا جاتا تھا جبکہ ثبوت مل جاتا کہ اس کے ورثہ موجود ہیں۔ کسی مذہب کے علماء نے بھی حکومت حجاز کو یہ فتویٰ نہیں دیا کہ ان حاجیوں کا مال ہندوستانی ورثہ کا نہیں بلکہ حکومت کا حق ہے۔

اور اگر آیت انفال سے مراد ولایت بمعنی وراثت نہیں بلکہ بمعنی موالات ہے تو اس کو میراث اور نکاح سے کوئی علاقہ نہ ہوگا، بلکہ موالات اور ترک موالات کا اس میں بیان ہوگا جس میں محاربین اور غیر محاربین کا فرق بھی ہوگا اور مستامن وغیر مستامن کا بھی۔ جس کی تفصیل سورۃ الممتحنہ کی آیات لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین۔ الآیہ کے تحت مفسرین ومحدثین وفقہاء نے بہت کچھ بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو شرح السیر الکبیر للامام محمد بن الحسن الشیبانیؒ۔

اخیر میں خیر خواہی کے ساتھ چند باتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔

(ا) قرآن سے مسائل واحکام کا استنباط کرتے ہوئے کم از کم احکام القرآن للرازیؒ احکام القرآن لابن العربی، تفسیر روح المعانی اور بیان القرآن لحکیم الامۃ التھانوی سے مراجعت ضرور کر لیا کریں۔

(ب) فتویٰ دینے سے پہلے فقہاء حنفیہ کی کتابوں اور اہل فتویٰ علماء سے مراجعت فرما لیا کریں۔ کیونکہ فتویٰ نویسی محض کتابوں کے مطالعہ سے نہیں آتی۔ اس کے لیے اہل افتاء کے پاس رہ کر مدتوں کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ج) ہم اور آپ مذہب حنفی کے سوا دوسرے مذاہب سے پوری طرح واقف نہیں ہیں، کیونکہ یہاں دوسرے مذاہب کا درس دینے والے محقق علماء موجود نہیں ہیں۔ اور محض کتابوں میں دوسرے ائمہ کے اقوال دیکھ لینے سے ان کے مذہب کا پورا علم نہیں ہو سکتا۔ آپ دیکھیں گے کہ ہماری کتابوں میں بعض مسائل کے متعلق دوسرے ائمہ کا مذہب غلط لکھ دیا گیا ہے۔ جیسا ان کی کتابوں میں ہمارا مذہب بعض مسائل میں غلط نقل ہو گیا ہے۔ حافظ ابو بکر بن ابی شیبہ جیسا محدث، جس کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ ہر بات سند کے ساتھ کہے، اپنی مصنف کے باب الرد علی ابی حنیفہ میں بہت سے مسائل امام صاحب کی طرف غلط منسوب کر گیا ہے جس کا کتب حنفیہ میں پتہ بھی نہیں۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ

جبتک کسی مذہب کو اسی کے علماء سے باقاعدہ نہ پڑھا جائے اس وقت تک اس سے پوری واقفیت نہیں ہو سکتی بعض دفعہ مسئلہ صحیح نقل ہوتا ہے مگر اُس میں جس قدر تفصیل و قیود اصل مذہب میں ہیں وہ سب نقل نہیں کی جاتیں۔

چنانچہ امرأۃ المفقود کے مسئلہ میں ہماری کتابوں میں امام مالک کا مذہب بہت مجمل بیان کیا گیا ہے۔ جب اس مسئلہ کی تحقیق علماء مالکیہ سے کی گئی تو اس میں بڑی تفصیل معلوم ہوئی اور بہت سی قیود و شرائط کا علم ہوا جن کا ہماری کتابوں میں پتہ بھی نہیں۔ ملاحظہ ہو رسالہ الحیلۃ الناجزہ لحکیم الامۃ التھانویؒ۔ پس کسی مسئلہ میں مذہب حنفی کو چھوڑ کر یہ دعوی کرنا کہ ہم نے مذاہب اربعہ سے خروج نہیں کیا اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں جب تک دوسرے مذاہب کے علماء سے اُس مسئلہ میں مراجعت نہ کر لی جائے۔

(د) نسبت صوفیہ غنیمتیست کبریٰ اما رسوم ایشاں ہیچ نیرزد۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے اس مقولہ کو پیشِ نظر رکھ کر نسبت صوفیہ کے حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے کیونکہ اس کے بغیر درجۂ احسان حاصل نہیں ہوتا جس پر کمالِ ایمان موقوف ہے۔ اور اس نسبت کے لیے رسومِ صوفیہ یا ان کے اشغالِ مروجہ کی اصلاً ضرورت نہیں مگر اہل نسبت کی صحبت ازبس ضروری ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو پیشِ مردے کاملے پامال شو

آپ کے قریب ہی . . . . تشریف فرما ہیں۔ گاہے گاہے اُن کے پاس جاتے رہا کریں۔ امید ہے کہ میری ان باتوں کو خیر خواہی پر محمول کیا جائے گا اور اسی نظر سے خط کو دیکھا جائے گا۔ والسلام

ظفر احمد

جواب

مکرمی و محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی زاد مجدکم

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ۔ عنایت نامہ مورخہ ۲۵ رجولائی مجھے ذرا دیر سے ملا۔ اسی لیے جواب بھی بتاخیر حاضر ہو رہا ہے۔ اس میں میری کوتاہی نہیں ہے۔

میں آپ کے اخلاص و محبت کا دل سے شکر گزار ہوں، اور مزید شکر گزاری کی موجب وہ علمی رہنمائی ہے جو آپ نے از راہِ کرم عنایت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

فتاویٰ کے بارے میں جناب نے بالکل سچ فرمایا۔ میری بھی غایت تمنا بس یہی ہے کہ اللہ کے دربار سے نہ دھتکارا جاؤں، اِس کے بعد مذہبی درباروں سے دھتکار دیے جانے کی مجھے پروا نہیں ہے۔

تصورِ شیخ کی جو تعبیر آپ نے پیش فرمائی ہے اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ تدبیر کی حد تک اِسے مباح مانا جائے گا اگر آدمی اُسی نیت سے اِس تدبیر کو اختیار کرے جو آپ نے بیان فرمائی ہے۔ البتہ جو تعبیر حکیم عبدالرشید صاحب نے پیش فرمائی تھی وہ تو سخت خطرناک تھی اور مولانا امین احسن صاحب نے جو گرفت کی تھی اسی پر کی تھی۔

آپ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ قرآن سے مسائل و احکام کا استنباط کرتے ہوئے جصّاص اور ابن العربی کی احکام القرآن اور تفسیر روح المعانی اور بیان القرآن کا مطالعہ کر لیا جائے۔ الحمدللہ کہ مَیں پہلے ہی اس مشورے پر عامل ہوں۔ مولانا تھانوی کی بیان القرآن تو میرے پاس نہیں ہے۔ البتہ متقدم الذکر تینوں کتابیں موجود ہیں اور ہمیشہ آیات سے احکام معلوم کرنے میں تینوں کو بغور دیکھ لیتا ہوں۔ اور صرف انہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ابن کثیر، ابن جریر، اور تفسیر کبیر سے بھی مراجعت کر لیتا ہوں تاکہ مسئلے کے تمام اطراف سامنے آجائیں۔ اس لیے آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ میں تحقیق و مطالعہ کے بغیر ہی اظہار رائے کر دینے کا عادی ہوں۔ البتہ ایک چیز ضرور ہے جس میں میرا طریقہ آپ حضرات سے مختلف ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مَیں ان میں سے کسی کی تحقیق کو حرفِ آخر نہیں سمجھتا، اور جب میرا ان کے

بیانات سے اطمینان نہیں ہوتا تو خود غور و فکر کر کے رائے قائم کرتا ہوں۔

فتویٰ دینے کی غلطی میں نے آج تک کبھی نہیں کی۔ فتویٰ جو شخص بھی مجھ سے پوچھتا ہے، میں ہمیشہ اس کو یہی جواب دیتا ہوں کہ مجھے منصب اِفتا حاصل نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ مسائل میں میری تحقیق پوچھتے ہیں ان کو اپنے علم کے مطابق جواب دے دیتا ہوں۔ اور جواب دیتے وقت فقہ کی مستند کتابوں سے مراجعت کرنے کا پورا التزام کرتا ہوں۔ مطالعہ و تحقیق کے بغیر اظہار رائے سے میں نے ہمیشہ اجتناب کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی محض اظہار رائے پر اکتفا کر جاتا ہوں اور دلائل و مآخذ بیان کرنے کا موقع نہیں پاتا۔

آپ کا یہ ارشاد بھی بجا ہے کہ کتابوں میں بالعموم اپنے مذہب کے سوا دوسرے مذاہب کے اقوال ثبت کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ اس چیز کو میں نے خود محسوس کیا ہے۔ اس لیے میں مذہبِ حنفی کے سوا دوسرے مذاہب کے اقوال معلوم کرنے کے لیے صرف اُن کتابوں پر اکتفا نہیں کرتا جو فقہاءِ حنفیہ نے لکھی ہیں بلکہ خود ان مذاہب کی اصل کتابیں بھی دیکھ لیتا ہوں۔ مثلاً مذہبِ حنبلی کے لیے المغنی لابن قدامہ، اور مذہبِ مالکی کے لیے المدونہ، وغیرہ۔ نیز میرا تجربہ ہے کہ مذاہب اربعہ کے اقوال کو الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں کافی احتیاط کے ساتھ ثبت کیا گیا ہے اور بدایۃ المجتہد بھی اس معاملہ میں نسبتہً خاصی قابلِ اعتماد ہے۔ شوکانی کو بھی میں نے اس معاملہ میں خاصا محتاط پایا ہے، اگرچہ بعض مقامات پر انہوں نے مذاہب کے نقل میں غلطیاں کی ہیں۔ بہرحال ایک مسئلے کی تحقیق میں بہت سے مراجع کی طرف رجوع کرنے سے قریب قریب صحیح واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

صوفیہ کی صحبت سے میں نے اکثر استفادہ کیا ہے۔ ایک مدت تک میرا طریقہ یہ رہا ہے کہ جس با خدا بزرگ کا بھی پتہ چلا ان سے ضرور جا کر ملا اور ان کی صحبت میں بیٹھا۔ میرا اپنا خاندان بھی اہلِ تصوف ہی میں سے ہے اور میرے والد مرحوم تک بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ تصوف کا لٹریچر بہت مطالعہ بھی میں نے کیا ہے اور متعدد صوفی بزرگوں سے توجہ لینے اور اشتغال